شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ

رحیمیہ

لاہور

زیر سرپرستی: حضرت اقدس مولانا **شاہ سعید احمد** رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ
مسند نشین سلسلہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مجلس ادارت

صدرِ مجلس: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن

مدیرِ اعلیٰ: مفتی عبد الخالق آزاد

مدیر: محمد عباس شاد

اکتوبر 2011ء • ذی قعدہ 1432ھ • جلد نمبر 3، شمارہ نمبر 10 • قیمت فی شمارہ: مبلغ 15 روپے • سالانہ ممبرشپ: مبلغ 180 روپے • تین سالہ ممبرشپ: مبلغ 400 روپے

حضرت اقدس مولانا

ارشادِ گرامی شاہ عبد القادر رائے پوری قدس سرہ

مسند نشین ثانی خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

فرمایا: انسان جب ذکراللہ شروع کرے تو تین چلے (چار مہینے) میں عموماً اور خاص حالات میں کسی کو جلد اور کسی کو دیر میں آثارِ ذکر پیدا ہوتے ہیں۔اس کے بعد ان آثار کی حفاظت کرنی ہوتی ہے۔اور خدا تعالیٰ جس سے کوئی کام لینا چاہتے ہیں، اِدھر کو کسی دین کے کام میں اس کی طبیعت لگنے لگتی ہے۔اور دوسرے بھی اِدھر کو ہی ہو لیتے ہیں۔عوام سے چنداں سروکار نہیں رکھتے۔...یہی وقت دراصل ان کی تبلیغ کا ہوتا ہے۔

عوام کو تو سیر و سیاحت کا شوق ہوتا ہی ہے، وہ تبلیغ بھی اسی جذبے کے تحت کرتے اور دلچسپی لیتے اور کود پھاند کر چلے آتے ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ اس (تبلیغ) کا کچھ نفع لوگوں کو ہوتا ہی نہیں، مطلب یہ ہے کہ کچھ معتد بہ اور حقیقی نفع نہیں ہوتا۔ جو لوگ باقاعدہ اور سنجیدگی سے لوگوں میں تبلیغ کرتے ہیں، اس سے لوگوں کو نماز روزہ، کلمہ کلام کا کافی نفع ہوتا ہے۔مگر اس کی مثال ایسی ہی ہے، جیسے عام طور پر علما وعظ و تلقین کیا کرتے ہیں۔ بڑے میاں (حضرت مولانا الیاس دہلویؒ) کو تو تبلیغ کی حقیقی تڑپ تھی، اور ان کی نسبت کی وجہ سے مولانا یوسف صاحب میں بھی اس تڑپ کی جھلک پائی جاتی ہے۔آپ بتائیں! آپ میں سے کسی میں تبلیغ کی تڑپ ہے؟ یہ تو بڑے میاں آپ کو ڈنڈے سے اِدھر چلاتے رہے۔اور میں اور شیخ الحدیث (مولانا زکریا کاندھلوی) صاحب کچھ اُکساتے رہے، ورنہ آپ سب کی کیفیت معلوم ہے کہ شوق سے اِدھر کو نہ چلتے تھے۔“

(مجلس 26/ذی الحج 1365ھ/ 21/نومبر 1946ء، بروز جمعرات۔مقام: بستی نظام الدین، دہلی)
(ارشادات حضرت شاہ عبد القادر رائے پوریؒ، ص: 13-112۔طبع: مکتبہ رشیدیہ، لاہور)

ترتیب عنوانات

درسِ قرآن: اللہ کی صفات کی روشنی میں قرآنی تحریک کے نتائج 2
درسِ حدیث: مثالی انسانوں کے اَخلاق 2
اداریہ: عالمی سرمایہ داری نظام کا اژدہا لیبیا میں 3
خطبۂ جمعہ: دینی عقل و شعور؛ دور کا تقاضا 4
حالاتِ حاضرہ: لیبیا کے حقائق پر جھوٹ کی چادر 6
مطالعۂ اسلام: اسلام اور خودکشی 7
دینی مسائل: دینی حوالے سے آپ کے سوالات کے جوابات 8

مجلس مشاورت

حضرت مولانا مفتی عبد المتین نعمانی (بورے والا)
حضرت مولانا مفتی عبد القدیر (چشتیاں)
حضرت مولانا مفتی عبد الغنی قاسمی (لاہور)
حضرت مولانا مفتی محمد مختار حسن (نوشہرہ)
حضرت مولانا صاحبزادہ عبد القادر دین پوری (بہاولنگر)
حضرت مولانا صاحبزادہ رشید احمد (ڈیرہ اسماعیل خان)
محترم سید مطلوب علی زیدی (لاہور)
حضرت مولانا مفتی محمد اشرف عاطف (سعودی عرب)
محترم ڈاکٹر لیاقت علی شاہ معصومی (سکھر)
محترم حاجی محمد بلال بلوچ (قاضی احمد)
محترم ڈاکٹر عبد الرحمٰن راؤ (سرگودھا)
محترم انجینئر آفتاب احمد عباسی (کراچی)
محترم سید خالد ریاض بخاری (واہ کینٹ)
حضرت مولانا عبد اللہ عابد سندھی (شکارپور)
حضرت مولانا پروفیسر ڈاکٹر تاج افسر (اسلام آباد)
حضرت مولانا محمد ناصر عبد العزیز (جھنگ)
حضرت مولانا قاضی محمد یوسف (حسن ابدال)
محترم قاری محمد ایاز جدون (مانسہرہ)

شعبہ مطبوعات

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ ٹرسٹ رجسٹرڈ

مین کیمپس لاہور
رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
092-42-36307714 , 36369089 www.rahimia.org

کراچی کیمپس
رحیمیہ ہاؤس 9/A، سینٹر پوائنٹ سوسائٹی، بلاک نمبر 21
راشد منہاس روڈ، فیڈرل بی ایریا، کراچی
0092-21-36321616 , 36320707

راولپنڈی کیمپس
رحیمیہ ہاؤس، N.A-7، سیوتھ روڈ
سیٹلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی
0321-5181875,5181929

ملتان کیمپس
رحیمیہ ہاؤس 30/A، سٹریٹ نمبر 2، خان کالونی
چونگی نمبر 7، ایل ایم کیو روڈ، ملتان
0092-61-6212021

سکھر کیمپس
فلیٹ نمبر 111، 1st فلور، رائل اپارٹمنٹ
ریس کورس روڈ، سکھر
0092-71-5615185

سالانہ ممبرشپ کی رقم ”ناظم دفتر“ کے نام ارسال کریں، اپنا پتہ صاف اردو میں اور خوشخط لکھ کر بھیجیں۔ • پرچہ ہر ماہ کی 3 اور 4 تاریخ کو ارسال کر دیا جاتا ہے۔

تین سال کی ممبرشپ کے لیے مبلغ 400 روپے ارسال کریں۔ • **رحیمیہ** کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جا سکتا ہے۔

ممبرشپ کی رقومات کی ترسیل بنام ”رحیمیہ لاہور“ میزان بینک قرطبہ چوک برانچ لاہور اکاؤنٹ نمبر: 0219-0100328009 پر کریں!

درسِ قرآن

تشریح: امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

اللہ کی صفات کی روشنی میں قرآنی تحریک کے نتائج

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝ (23:59)

''وہ اللہ ہے جس کے سوا کسی کی بندگی نہیں: بادشاہ‘ پاک ذات‘ سب عیب سے سالم‘ امان دینے والا‘ پناہ میں لینے والا‘ زبردست دباؤ والا‘ صاحب عظمت ہے۔ ان کے شریک قرار دینے سے اللہ پاک ہے۔''

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ : معبود صرف اللہ ہی ہے۔ قانون اسی کا چلتا ہے۔ پس اس کے سوا کوئی بھی اس نظام میں اپنی حاکمیت اعلیٰ (Sovereignty) قائم کرنے کا حقدار نہیں ہے۔ تمام قانون چلانے والے اللہ کے نائب ہوکر کام کر سکتے ہیں۔

اَلْمَلِكُ : مُلک اسی کا‘ مِلک اسی کی ہے‘ اس لیے وہی ''مَلِک'' (بادشاہ) ہوسکتا ہے۔

الْقُدُّوْسُ : کسی شخص کو اس نئے نظام میں مقدس مان کر اسے خدا کا قائم مقام نہیں مانا جاسکتا‘ ورنہ وہی برہمنیت (Brahmanism) اور پاپائیت (Papacy) پیدا ہو جائے گی، جن کے استیصال کے لیے یہ نظام قائم کیا جارہا ہے۔ ''قدوس'' فقط ایک ہی خدا ہے۔

السَّلٰمُ : چیزوں کو سلامتی کے ساتھ ترقی کی انتہا تک پہنچانا، ثمرات پیدا کرنا، تحریکوں کو کامیاب بنانا، اللہ کا کام ہے، جو ''السلام'' ہے۔ انقلاب کے تمام نتائج پہلے ہی دن نہیں نکل آتے بلکہ بتدریج نکلتے ہیں۔ بعض نتائج سو سال کے بعد نکلتے ہیں اور بعض اس سے بھی بعد نکلیں گے۔ یہ پروگرام انسانیت کے خاتمے تک اپنے نتائج پیدا کرتا رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ جو سلام ہے اسے ہمیشہ سالم رکھنا چاہتا ہے۔ تمام ادیان شروع شروع میں اچھی حالت ہی میں تھے مگر قوموں کے تغیرات سے مضر بن گئے۔ مگر اسلامی تحریک کا مرکز ایسا محفوظ کر دیا گیا ہے کہ اس میں کوئی دوسری چیز مخلوط ہی نہیں ہوسکتی۔ یہ خداوند تعالیٰ کے اسم ''السلام'' کا اثر ہے۔ اس لیے یہ تحریک ہمیشہ کامیاب رہے گی۔ اللہ کی صفات کی روشنی میں اس تحریک کے نتائج درجِ ذیل ہوں گے: (1) (الْمُؤْمِنُ) امن ہو جائے گا۔ اس تحریک کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ملک میں امن پیدا ہو۔ (2) (الْمُهَیْمِنُ) تحفظ نتائج۔ حصہ داروں کے حصے محفوظ رہیں گے۔ ان کی کوششیں رائیگاں نہ جائیں گی اور وہ اپنی مساعی کے نتائج سے اس دنیا میں یا آخرت میں ضرور بہرہ اندوز ہوں گے۔ (3) (الْعَزِیْزُ) عزت۔ اس تحریک میں کام کرنے والے عزت مندر ہیں گے ان کو عزت دی جائے گی۔ (4) (الْجَبَّارُ) غلبہ۔ اس تحریک میں کام کرنے والوں کو غلبہ دیا جائے گا اور وہ زبردست بنا دیئے جائیں گے۔ (5) (الْمُتَكَبِّرُ ؕ) بڑائی۔ اس تحریک میں کام کرنے والے بڑے بنا دیئے جائیں گے۔ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝ ان کا منبع صرف خدا ہے۔ یہ تمام خوبیاں جو اس تحریک میں کام کرنے والوں میں پیدا ہوں گی اور تمام فوائد جو انہیں حاصل ہوں گے ان کا منبع و مصدر ذات الٰہی ہی کو سمجھنا چاہیے۔ یہ صفات اسی کا پرتو ہیں اور یہ انعامات اسی کی طرف سے ہیں۔ ان کے عطا کرنے میں کسی انسان یا فرشتے کو شریک نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ واقع کے خلاف ہے۔ قانون دینے میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا انسانیت کے لیے خطرناک ہے۔ اور اس کے اخلاق کو تباہ کر دینے والا فکر ہے۔ خدا کو مالک الملک مان لینے کے بعد پھر کسی اور کو اس کا شریک نہیں بنایا جاسکتا کیونکہ اسے کسی شریک کی ضرورت نہیں ہے۔

درسِ حدیث

تشریح: حضرت مولانا خواجہ عبدالحیٔ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

مثالی انسانوں کے اَخلاق

عن أبی أُمامةؓ عن النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم قال: ''أغبط أولیائی عندی لمؤمن خفیف الحاذ، ذو حظّ مّن الصّلوٰة ، أحسن عبادة ربّهٖ ،و أطاعَهٗ فی السّرّ، و کان غامضًا فی الناس، لا یُشار إلیه بالأصابع، و کان رزقهٗ کفافًا فصبر علٰی ذالک'' ثمّ نَقَدَ بِیَدِهٖ. فقال: ''عجّلت مُنیَتهٗ، قلّت بواکیه، قلّ تُراثهٗ.'' (حضرت ابواُمامہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: میرے نزدیک میرے ملنے والوں میں سب سے زیادہ قابل رشک وہ ایمان دار شخص ہے، جو ہلکا پھلکا ہے۔ مال اولاد کے جھگڑے زیادہ اس کے پیچھے پڑے ہوئے نہیں ہیں۔ اس کا نماز میں جی لگتا ہے۔ اپنے رب کی عبادت اچھی طرح کرتا ہے اور تنہائی میں اس کی اطاعت کرتا ہے۔ لوگوں میں گم نام ہے۔ اس کی طرف انگلیاں نہیں اُٹھتیں۔ اس کا رزق فقط گزارے کے قابل ہے اور وہ اس پر صبر کیے ہوئے ہے۔ اس کے بعد آپ اُنگلی پر اُنگلی رکھتے گئے اور گنوانا شروع شروع کیا، مرنے میں اس کے دیر نہیں لگتی، رونے والیاں اس کی کم ہیں، ورثہ اس کا تھوڑا سا ہے۔) (مشکوٰۃ شریف، کتاب الرقاق، فصل الثانی)

نام و نمود اور شہرت پر ریجھنے والے، دنیا کے جھگڑوں میں پھنسنے والے، نمازوں سے کترانے والے، اپنے ربّ کی عبادت کی طرف سے بے پروا، چھپ چھپ کر رنگ رلیاں منانے والے، تعظیم و تکریم کے طالب، ات گت کھانے والے، مال و دولت کے رسیا، اس حدیث کو ذرا توجہ سے پڑھیں، اور اس کے مطلب پر غور کریں اور دیکھیں کہ یہ انھیں کیا سکھاتی ہے۔ کیا ہم اس کا بالکل اُلٹ نہیں ہیں؟ کیا ہمارے دل میں ایمان ہے؟ کیا ہمارا نماز میں جی لگتا ہے، یا نِری ''ٹکریں'' مارتے ہیں؟ کیا ہم اپنے ربّ کی عبادت کو کچھ اہمیت دیتے ہیں؟ کیا تنہائی میں کچھ خدا کا خیال رہتا ہے؟ کیا ہم یہ نہیں چاہتے کہ جدھر سے گزریں، لوگوں کی اُنگلیاں اُٹھیں۔ کیا ہم مال و دولت کے حد سے زیادہ شوقین نہیں ہیں؟ یہ تو زندگی کا حال تھا، جب موت آتی ہے تو جان مشکل سے نکلتی ہے، مرتے ہی گھر میں کہرام مچ جاتا ہے، لاکھوں روپے پیچھے چھوڑتے ہیں۔ ان کی تقسیم کا فکر وارثوں کی جان کھائے جاتا ہے۔ ایسے ہی لوگ تو ہیں، جن کو اس حدیث میں لغو اور مہمل قرار دیا گیا ہے۔

اس حدیث کا خلاصہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کو دنیا کے اندر نام و نمود، شہرت و عزت، دولت و ثروت کے جمع کرنے میں اور خواہشوں کے پورا کرنے کے جنجال میں نہ پھنسنا چاہیے۔ اس کی زندگی جتنی مال کی حرص، شہرت کی طلب اور خواہشوں کی پیروی سے الگ تھلگ رہے گی، اسی قدر وہ اپنے آپ کو آزاد اور ہلکا محسوس کرے گا۔ مرتے وقت جان کنی کی مصیبت نہ اٹھانی پڑے گی۔ تعلقات سے کنارہ کش ہوگا تو اس کے رونے والے کم ہوں گے۔ مال کم ہوگا تو اولاد میں جھگڑے اور بداَخلاقی کی زندگی کا اِمکان کم ہوگا۔ عقل منداس سے یہ سبق لے سکتے ہیں کہ ہماری اجتماعی زندگی ایسی ہونی چاہیے کہ انفرادی زندگی جھگڑوں سے پاک ہو اور خواہ مخواہ کے تفکرات سے آزاد رہے۔ عالموں، لیڈروں اور حاکموں کا فرض ہے کہ وہ اس غرض کو مدِنظر رکھ کر اپنی اور عوام کی معاشرتی اور سیاسی زندگی کی تشکیل کریں۔

حضور اکرمؐ نے اس شخص کو قابل رشک قرار دیا ہے، جو صاحبِ ایمان ہو، جھگڑوں سے آزاد ہو، نماز اور دوسری عبادات میں طاق ہو، نام و نمود سے بے پروا ہو، ضرورت کے مطابق دولت کا مالک ہو اور اس پر صابر و شاکر ہو، جس کی موت آسان ہو اور اس قدر زیادہ وِرثہ نہ چھوڑے کہ وارثوں میں جھگڑے پڑیں۔

rahimia.org

اداریہ

عالمی سرمایہ داری نظام کا اژدہا لیبیا میں

سرمایہ دارانہ نظام انسانیت دشمن نظام ہے۔ اس کا انسانیت کی فلاح و بہبود سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہے۔ یہ انسانیت دشمنی کی ایک طویل تاریخ رکھتا ہے۔ دولت اور سرمائے کی پرستش سے اس کا خمیر اٹھا ہے۔ انسانی محنت کا استحصال اس کے ضمیر میں داخل ہے۔ انسانی وقار کی توہین اس کی شناخت ہے۔ انسانی زندگی کے لیے امن وامان کا یہ پُرانا دشمن ہے۔ انسانوں کا معاشی خوش حالی اور اطمینان اِسے خار کی طرح کھٹکتا ہے۔ انسانیت کے لیے خیرخواہی اس کی لغت سے خارج ہے۔ یہ اپنے سرمایہ پرستانہ مفادات کے لیے انسانیت میں قتل وغارت گری کو فروغ دینے سے بھی نہیں چوکتا ہے۔ یہ اژدہا انسانی بستیوں پر چڑھ دوڑتا ہے۔ یہ انسانوں کے گھروں میں آگ سلگاتا ہے۔ منہ اندھیرے لوٹ مار شروع کر دیتا ہے۔ سوسائٹی کی مثبت اقدار تباہ کر کے رکھ دیتا ہے۔ اپنے سفاکانہ ظلم پر انسانیت کی دل دوز چیخوں سے لطف انداز ہوتا ہے۔ اس لیے کہ قرآن کے بقول (اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ) اسے سرمایہ اکٹھا کرنا ہے۔ اِسے دولت کے انبار لگانے ہیں۔ خواہ انسانیت کے سروں کے مینار کھڑے کرنے پڑیں۔ اِسے جواب دہی کا کوئی احساس نہیں۔ یہ ملکوں اور قوموں کو غلام بناتا ہے۔ اپنی آمریت مسلط کرتا ہے۔ اس کا ظلم وتکبر کسی قاعدہ وقانون کو اپنی راہ میں رکاوٹ نہیں سمجھتا۔ یہ ایک انسانیت پر حملہ آور اژدہا ہے، جو انسانیت کو نگلنے، ہڑپ کرنے اور مٹا دینے پر تلا ہوا ہے۔

جی ہاں! آج کل سرمایہ داری نظام کا یہ اژدہا اپنی تمام تر سفاکیت کے ساتھ افریقہ کے چھوٹے سے ملک لیبیا پر حملہ آور ہے۔ اور پوری ڈھٹائی کے ساتھ اپنے ظالمانہ کردار کے مذکورہ بالا مظاہر افریقہ کے اس چھوٹے سے ملک میں دکھا رہا ہے۔ حال آں کہ اپنے ملک میں غیرفطری نظام کے باعث داخلی تضادات کا شکار ہے۔ خود اپنے ملک امریکہ اور یورپ میں فیل ہوتا جا رہا ہے۔ اس کی اقتصادی حالت یہ ہے کہ ملکی قومی پیداوار سے زائد اس کے قرضہ جات ہو چکے ہیں، جو اس کے غیرفطری اور انسانیت دشمن نظام ہونے کا واضح ثبوت ہے۔ اس کے اپنے اَثاثہ جات دوسروں کے پاس گروی رکھے ہوئے ہیں۔ اپنی ڈوبتی ہوئی معیشت کی رگوں میں دوسرے خطوں اور ممالک کی لوٹ مار کی دولت کا خون دوڑانا چاہتا ہے۔ ہوسِ ملک گیری نے اسے بے چین کیا ہوا ہے۔ خون آشامی اس کے منہ کو لگی ہوئی ہے۔ آج لیبین عوام اور قوم کا خون چوسنا چاہتا ہے۔ اس کا قومی آزادی پر مشتمل کردار اِسے ایک آنکھ نہیں بھا رہا ہے۔

لیبین قوم اور وہاں کی قومی حکومت نے کرنل معمر قذافی کی قیادت میں افریقی ممالک کی یونین کو مضبوط بنانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ سرمایہ دارانہ ورلڈ آرڈر کے بجائے افریقی ممالک کی خودمختاری پر مبنی مالیاتی نظام تشکیل دینے کا عندیہ دیا تھا۔ وہاں کے قبائل میں قومی سوچ پیدا کی تھی۔ اپنی دھرتی کے وسائل کو قومی مفادات کے لیے استعمال کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اسلام کے حقیقی کردار کو سامنے رکھ کر اس کی تعلیمات کا سیاسی و معاشی نظام قائم کرنے کی سوچ پیدا کی تھی۔ قومی خودمختاری، سماجی عدل اور معاشی عدل و مساوات کی سوچ پیدا کی تھی۔ ایسے بینکنگ سسٹم کو فروغ دینے کا فیصلہ کیا تھا، جو سامراجی چنگل سے نجات دلا کر قومی اساس پر مسائل حل کرنے کا باعث بنتا۔ ایسے ماحول میں سامراج نے اس ملک پر قبضہ کرنے کے لیے دھرتی کے غداروں اور عرب ملکوں کے زرخرید لوگوں سے کام لیا۔ اور افریقی ممالک میں سے ایک آزاد اور خودمختار ملک پر اپنے خون آشام پنجے گاڑے اور اس کی آزادی سلب کی ہے۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ اس تمام تر سفاکی میں عرب لیگ کا بڑا ہاتھ ہے۔ یہ قوم فروش غدارانِ وطن سامراجی تسلط کے آلۂ کار بن کر کردار ادا کر رہے ہیں۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ جب بھی سرمایہ دارانہ نظام پر مشتمل سامراج نے کسی مسلمان خطے پر قبضہ کیا اور اِسے اپنے عالمی سامراجی مفادات کے لیے استعمال کیا تو چند قوم فروش اور آلۂ کار غدار تلاش کیے گئے۔ اور اسلامی تہذیب کے نام پر ان کے سروں پر قراقلی کی ٹوپیاں اڑھا دی گئیں یا ڈھلکے ہوئے سرخ وسفید رومالوں پر غلامی کی کالی ڈوریاں ڈال دی گئیں اور انھیں عبائیں اور قبائیں پہنا کر اسلام کا علم بردار اور قوموں کا بڑا قائد بنا کر مسلط کر دیا گیا۔ اور یوں ان سے سامراجی مفادات کی آلہ کار کٹھ پتلیوں کا کردار لیا گیا۔ سرمایہ دارانہ سامراج کا ہمیشہ سے یہ دستور رہا ہے کہ جس دھرتی پر قبضہ کیا جائے، وہاں کی باشعور قومی قیادت کو قتل کر دیا جائے۔ باشعور اور قومی حمیت وغیرت کے حامل لوگوں کو قتل کرانا ان کا مشغلہ رہا ہے۔ خود امریکی ریاست کی تشکیل میں لاکھوں غیرت مند ریڈ اِنڈینز کا خون بہایا گیا ہے۔ قومی سیاست کی مہارت اور شعور رکھنے والوں کے خلاف پراپیگنڈا کر کے ان کی سیاسی حیثیت کا قتل کیا جاتا ہے۔ یوں انھیں قیادت کے منصب سے ہٹا کر قوم سے غداری کرنے والی بے مغز کٹھ پتلیوں کو معاشروں پر مسلط کر دیا جاتا ہے۔ قومی قیادتوں کے خاتمے میں ان غداروں کی داستانیں زبانِ زد عام وخاص ہیں۔ آج اسلامی ملکوں کے اکثر وبیش تر حکمرانوں کا شجرۂ نسب ایسے ہی غدارانِ قوم کے ساتھ جا ملتا ہے۔ انھوں نے ''قومے فروختند وچہ ارزاں فروختند'' (قوم فروخت کی اور کتنی سستی فروخت کر دی!!!) کے مصداق چند ٹکوں کے عوض ملکوں اور قوموں کو غلام بنایا ہے۔

آج لیبیا میں بھی ایسے غدارانِ قوم اور ملک دشمن عناصر کے کندھے پر سوار ہو کر سرمایہ پرست سامراج وہاں داخل ہو رہا ہے۔ مذہب اور صحافت کے دیوانوں کو اپنا ہم نوا بنا کر جھوٹا پراپیگنڈا کیا جا رہا ہے۔ لیبیا کے سچائی پر مبنی حقائق سامنے نہیں آنے دیے جا رہے۔ عالمی میڈیا اپنے تمام تر جھوٹ کے ساتھ انسانیت کی آنکھوں میں دھول جھونک رہا ہے۔ حقائق مسخ کیے جا رہے ہیں۔ ابلیس کے جھوٹے لشکر انسانوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ گمراہ کن پراپیگنڈا جاری ہے۔ صحافت کے نام پر لوگوں کو بے وقوف بنایا جا رہا ہے۔ مذہب کے نمائندے بھی خاموش ہیں۔ ایسے سامراجی ماحول میں قومی حوالے سے شعور وفکر کی بڑی اہمیت ہے۔ عالمی سامراجی شیطانی مکروفریب کا شعوری مطالعہ کرنے کی ضرورت دوچند ہو گئی ہے۔

قرآنی تعلیمات ہر باشعور مسلمان پر یہ ذمہ داری عائد کرتی ہیں کہ وہ اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ (201:7) (جب بھی ان کو کسی شیطانی اور سامراجی سازش کا احساس ہوتا ہے، تو اس پر غور وفکر کرتے اور بصیرت سے رائے قائم کرتے ہیں۔) اس لیے مسلمان نوجوانوں پر لازم ہے کہ وہ سامراجی پراپیگنڈے سے نکل کر عالمی حقائق کا شعور حاصل کریں۔ شیطانی اور سامراجی ہتھکنڈوں کا آلۂ کار بننے کے بجائے قرآنی تعلیمات کے مطابق قومی آزادی پر مبنی امن، عدل وانصاف اور معاشی خوش حالی کی جدوجہد کرنے والی قیادت کو سمجھیں۔ اور دینی حوالے سے ایسے سیاسی شعور سے بہرہ ور ہوں، جو قومی و ملی کامیابی سے ہم کنار کرے۔ ایسے حالات میں مایوسی ومرعوبیت کے بجائے شعوری راستہ اختیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ شیطانی مکروفریب کے پھیلاؤ کے دور میں مزاحمتی شعور کے بغیر رہنا تباہی کا باعث بنتا ہے۔ مزاحمتی شعور ہی کامیابی کی دلیل ہے۔ یہی انبیا، صحابہ اور اولیاء کا اسوۂ حسنہ ہے۔ اسے مضبوطی سے پکڑنے میں ہی دنیا و آخرت کی کامیابی ہے۔ (مدیر اعلیٰ)

خطبہ جمعۃ المبارک

دینی عقل وشعور؛ دور کا تقاضا

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد صاحب

(مؤرخہ 11/فروری 2011ء، بمقام ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ، لاہور) ضبط وتحریر: محمد طفیل اقبال

نحمدہٗ و نصلّی علٰی رسولہ الکریم. أمّا بعد! قال اللّٰہ تبارک و تعالٰی:
اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (24:47) صدق اللّٰہ العظیم

معزز دوستو! دین اسلام انسانی سوسائٹی کے جملہ امور کو حل کرنے کے لیے رہنمائی، عقل اور شعور پیدا کرتا ہے۔ انسانی جماعت کے اندر سوسائٹی کی ترقی کی عقل پیدا کرنا دین اسلام کی اساسی تعلیمات کا حصہ ہے۔ دنیا میں کوئی کام اس وقت تک سرانجام نہیں پاتا، جب تک کہ ان امور کی صحیح سمجھ پیدا کر کے عملی طور پر اس کو سرانجام دینے کی صلاحیت اور مہارت اپنے اندر پیدا نہ کی جائے۔ قرآن حکیم انسانیت کی ترقی اور فلاح و بہبود کا جو نظریہ دیتا ہے، اس کو عمل میں لانے کی عقلی مہارت اور صلاحیت بھی پیدا کرتا ہے۔ دین اسلام نے جب ہمیں یہ سکھلایا: رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (2:201) اے اللہ ہمیں دنیا کی ترقی اور کامیابی نصیب فرما اور آخرت کی کامیابی اور ترقی نصیب فرما۔ قرآن حکیم نے یہ دعا سکھلائی: اس مقصد کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک صحیح اور درست طریقۂ کار کی نشان دہی بھی کی۔ کیونکہ محض اہداف و مقاصد طے کر دینا کافی نہیں۔ ان کو عمل میں لانے کے لیے عقلی صلاحیت اور عملی مہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ دونوں باتیں دین اسلام کی سچی تعلیمات کے نتیجے میں ایک مسلمان جماعت میں پیدا ہوتی ہیں۔ اسی لیے نبی اکرمؐ سے لے کر اب تک تمام اولیاء اللہ کی تعلیمات کا آخری نتیجہ مسلمان جماعت میں عقل وشعور پیدا کرنے سے عبارت ہے۔ حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ سے کسی نے پوچھا کہ تصوف کا خلاصہ یا مقصد کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ: دین کی سمجھ اور اس کا عقل وشعور کا پیدا ہونا ہے۔ گویا کہ دین کی تعلیم و تربیت کے نتیجے میں دینی حوالے سے عقل وشعور کا پیدا ہونا لازمی ہے۔ اسی کے حصول کے لیے صحابہؓ، اولیاء اللہ اور علمائے ربانیین نے اپنی پوری زندگی خرچ کی ہے اور معاملات کو درست تناظر میں سمجھ کر انھیں حل کرنے کی صحیح عقل وشعور اپنے اندر پیدا کی ہے۔

ایسے ماحول میں جب کہ جذباتیت کا عنصر غالب آچکا ہے۔ دین اسلام کی تعلیمات کی اساس پر عقل وشعور کا پیدا ہونا اور بھی زیادہ ضروری ہو جاتا ہے۔ عقل کے مقابلے پر انسانیت کی جو دوسری نفسیاتی کیفیتیں سامنے آتی ہیں، وہ جذباتیت پر مبنی ہیں۔ اشتعال، غصے اور انتقام پر مبنی ہیں۔ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن تمام بداَخلاقیوں سے منع کیا ہے، جو انسانی عقل وشعور کو سلب کرنے کا باعث بنیں۔ ایسے تمام رویے، جو عقل وشعور کے راستے کی رکاوٹ بنتے ہیں اور عقل پر پردہ ڈال دیتے ہیں، ان سے ممانعت کر دی ہے۔ اسی لیے شراب کی حرمت کا قانون نازل ہوا کہ شراب پینے کے بعد انسان عقل سے محروم ہو جاتا ہے۔ انتقام، تشدد، جذباتیت، اشتعال انگیزی، یہ وہ رویے ہیں، جو انسانی عقل کو سلب کر لیتے ہیں۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ماؤف ہو جاتی ہے۔ خواہشات کی وجہ سے پیش آمدہ معاملات کو سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت مفقود ہو جاتی ہے۔ یہ بہت بڑی خرابی ہے۔ انسانی عقل کی شرافت اور عظمت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس کی حفاظت کی جائے۔ اس کے اندر مثبت حوالے سے ابھار پیدا کیا جائے۔ قرآن نے بار بار مسلمان جماعت کو دعوت دی ہے: اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (37:138) (کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟) قرآن نے کہا: اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ (کیا انھوں نے قرآن پر غور وفکر نہیں کیا؟) اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (یا ان کے دلوں پر تالے پڑ گئے ہیں؟) ان کے دل سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں سے محروم ہو چکے ہیں۔ قرآن نے کہا: وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ (3:7) (قرآن سے صرف وہی لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں، جو عقل مند ہوتے ہیں) قرآن نے انسانیت کو دعوت دی کہ وہ اپنی عقل وشعور کو کام میں لا کر معاملات کو درست تناظر میں سمجھنے کی کوشش کرے اور ہر اس رویے سے بچے، جو عقل وشعور کو ماؤف کر دیتا ہے۔

آج ہمارا اَلمیہ یہ ہے کہ ہمارے ماحول میں عقل وشعور کا فقدان ہے۔ عقل کے راستے میں رکاوٹ پیدا کرنے والے جتنے منفی اور جذباتی رویے ہیں، وہ ہماری زندگی کا حصہ ہیں۔ بحیثیت مجموعی ہمارے معاشروں میں اشتعال پایا جاتا ہے۔ جذباتیت پائی جاتی ہے۔ معمولی سا کوئی اقدام ہوتا ہے اور ہم غصے اور اشتعال میں آکر بہت سے منفی فیصلے کر دیتے ہیں۔ اور اس سے بڑی خطرناک بات یہ ہے کہ مذہب کے نام پر، دین کے نام پر اشتعال انگیزی کو فروغ دیا جاتا ہے۔ جذباتیت کو آگے بڑھایا جاتا ہے۔ وہ مذہب، جو عقل وشعور پیدا کرنے کے لیے آیا، جذباتیت کی نفی کرتا ہے۔ مسائل کے حل کرنے کے لیے ایک شعوری راستہ واضح کرتا ہے۔ اس مذہب کے ماننے والے اشتعال انگیزی کا مظاہرہ کریں تو اس سے بڑی خرابی کی بات کیا ہو سکتی ہے۔ انسان غصے، انتقام اور اشتعال میں تبھی آتا ہے، جب اس کے پاس دلائل ختم ہوں۔ معاملات کو سمجھنے، سوچنے کی صلاحیت مفقود ہو جائے تو آخری حربہ لڑائی جھگڑا اور اشتعال انگیزی کا ہوتا ہے۔ انسانیت کا شرف یہ ہے کہ وہ اپنے معاملات کو حل کرنے کے لیے دلائل سے کام لے۔ افہام وتفہیم اس کی بنیادی خصوصیت ہے۔ سمجھنا سمجھانا اس کا اساسی رویہ ہے۔ معاملات کو حقائق کی بنیاد پر پرکھنا اور اس کے مطابق حکمتِ عملی اپنانا، مسلمان کی خصوصیت ہے۔

غلامی کے اڑھائی سو سالہ دور میں یہ بنیادی خصوصیتیں اور رویے ہم سے مفقود کر دیے گئے۔ غلامانہ ذہنیت ہمارے دماغوں پر راسخ ہوگئی۔ اور جب انسان پر عقل وشعور کا غلبہ ختم ہوتا ہے تو وہ ہر چمک دار چیز سے مرعوب ہو جاتا ہے۔ خاص طور پر اپنے دین کے بنیادی اساسی اصولوں سے مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہ مرعوبیت، یہ پستی کی حالت اس کی بقا کے لیے بڑے خطرے کی بات ہوتی ہے۔ آج مسلمان معاشروں کا یہی المیہ ہے کہ ہم جب عقل وشعور سے معاملات کو درست تناظر میں سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہو گئے اور غلامی کے زمانے میں سرمایہ دارانہ مقاصد اور اہداف کے لیے سامراج نے یہاں جو رویے فروغ دیے، انھیں ہم نے قبول کر لیا۔ آج اس کے اثرات ونتائج یہ ہیں کہ ہمیں اپنے دین پر اعتماد نہیں۔ دین کی تعلیمات کو سوسائٹی کا حصہ بنانے کی عقل ختم ہوگئی۔ اور اس کے نتیجے میں دو منفی انتہا پسندانہ رویے سامنے آئے۔ ایک تو یہ کہ مذہب پر عمل کرنا ہے۔ دلیل ہمارے پاس نہیں، عقل کا استعمال نہیں، اس کو طاقت کے بل بوتے پر تمام لوگوں سے منوانا ہے۔ تشدد کا راستہ اختیار کرنا۔ مذہبی گروہیت یا فرقہ واریت کو فروغ دینا ہے۔ مذہبی رجعت پسندی ایسے لوگوں کے دل ودماغ میں کوٹ کوٹ کر بھر دی جاتی ہے۔ دور کے تقاضے کیا ہیں، دور کے سلگتے ہوئے سیاسی اور معاشی مسائل کیا ہیں، ان کے حل کرنے کی عقل کیا ہے۔ یہ جب ہمارے سامنے نہیں تو اب مذہب سے جو محبت ہے، اس کا لازمی نتیجہ یہ لیا جاتا ہے کہ اس کو طاقت کے بل بوتے پر نافذ کیا جائے۔ یہ مذہبی انتہا پسندی کا ایک رُخ ہے کہ دین کی تعلیمات کو عقل وشعور کی بنیاد پر نوجوانوں کے سامنے پیش کرنے کے بجائے تشدد، رجعت پسندی، فرسودگی، گروہیت اور فرقہ واریت کے تناظر میں

سوسائٹی پر مسلط کیا جائے۔اور پھر اس مذہبی رجعت پسندی کا ایک بھیانک رُخ یہ ہے کہ اس کی بنیاد پر سوسائٹی میں تقسیم در تقسیم پیدا کیا جاتی ہے۔ بلکہ ہم نے تو پچھلی صدی میں خطوں اور علاقوں کی تقسیم بھی مذہبی رجعت پسندی کی بنیاد پر قبول کی۔ یہ مذہب کا ایک انتہا پسندانہ رخ کہ عقل وشعور سے انسانیت کے سامنے مسائل حل کرنے کی بجائے طاقت کے بل بوتے پر، نفرتوں کی بنیاد پر، قتل وغارت گری کی اساس پر ممالک اور اقوام تشکیل دیے گئے۔ جغرافیائی حد بندیاں کی گئیں۔ نفرت ایک منفی رویہ ہے۔ عقل کا دشمن ہے۔ انتقام شعور کو سلب کر لیتا ہے۔ قوموں اور ملکوں کی تقسیم در تقسیم کا عمل، جس سے جنگ کے شعلے بھڑکیں، سوسائٹی میں قتل و غارت گری ہو، ایک منفی رویہ ہے۔ جو عقل وشعور کو سلب کر لیتا ہے۔ آج مذہبی رجعت پسندی کے یہ اثرات ونتائج ہماری سوسائٹی پر مسلط ہیں۔ ہم نے تعلیمی ادارے، عبادت گاہیں، یونیورسٹیز، کالجز، مدرسے، پارٹیاں، ادارے اس نفرت اور فرقہ واریت کی بھینٹ چڑھا دیے ہیں۔ ہمارا مدرسہ، ہمارا اسکول، ہمارا کالج، ہماری سیاسی پارٹی، ہمارے معاشی ادارے، مذہبی رجعت پسندی کا شکار ہو کر سوسائٹی میں نفرتوں کا بیج بوتے ہیں، تشدد کو فروغ دیتے ہیں، تقسیم در تقسیم کو قبول کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

عقل وشعور کے سلب ہونے کا ایک لازمی نتیجہ تو یہ نکلا ہے۔ اور دین کی عقل کے مفقود ہونے سے ایک دوسرا انتہا پسندانہ نتیجہ یہ سامنے آیا کہ چوں کہ مذہبی لوگ کسی انسان کو عقلی طور پر بات سمجھانے کی صلاحیت سے قاصر ہیں، اس لیے دین ہی کا انکار کر دیا جائے کہ مذہب کوئی چیز نہیں، دین کوئی چیز نہیں۔ یہ دوسرا انتہا پسندانہ تصور ہماری سوسائٹی پر مسلط کر دیا گیا۔ ایسے طبقات وجود میں لائے گئے کہ جو سوسائٹی کی ترقی کے لیے مذہب کا انکار ضروری سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگ دین کی بنیادی اساسی اقدار کو نظر انداز کر کے، ہر چیز کو اپنی خودساختہ عقل پر پرکھنا چاہتے ہیں۔ یہ وبا اور مرض یورپ کے غلبے کے زمانے میں اس لیے شروع ہوا کہ وہاں پر پاپائیت اور یہودیت پر مشتمل رجعت پسند مذہبی طبقہ، عقلی بنیادوں پر انسانی مسائل حل کرنے کی رہنمائی دینے کی صلاحیت سے محروم تھا۔ مذہبی طبقہ سوسائٹی کے سیاسی، معاشی، اقتصادی سوالات کا جواب دینے سے قاصر تھا۔ دینی عقل کا دخل ختم ہو چکا تھا۔ رسمیت پر مشتمل پاپائیت کی زیرِ نگرانی رجعت پسندانہ نظام پوری دنیا پر مسلط تھا۔ وہ چند رسومات کا مجموعہ ہے کہ اتوار کے روز ایک گرجا گھر میں آ کر سروس کر لی جائے، بس!۔ کسی مصیبت کے وقت بائبل کا تعویذ گلے میں ڈال لیا جائے، بس!۔ سوسائٹی کے سیاسی تقاضے کیا ہیں؟ سوسائٹی کے معاشی مسائل کیا ہیں؟ عمرانی اور سماجی مسائل کیا ہیں؟ یورپ کا وہ فرسودہ مذہب ان سوالوں کے جوب دینے سے قاصر ہے۔ اپنے تقدس، اپنی پاپائیت کی بنیاد پر مذہب کے نمائندے عقل وشعور کو پامال کر کے اپنی حیثیت منوانا چاہتے ہیں۔ ایسے میں یورپ کے نوجوان نے بغاوت کر دی۔ مذہب کا انکار کر دیا۔ کیا دین اسلام بھی پاپائیت کا ایسا ہی کوئی تصور رکھتا ہے؟ کیا وہ بھی عقل وشعور سے عاری ہے؟ ایک رسمی مذہبی ڈھانچہ ہے؟ قطعاً نہیں! اگر یہ بات ہوتی تو یہ دین اسلام ایک محدود دائرے اور مدت کے لیے دنیا میں آتا۔ حال آں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ: ”میری بعثت قیامت تک کے لیے ہے۔“ قرآن حکیم انسانیت کی آخری اور حتمی تعلیم ہے۔ یہ ہر دور میں انسانوں کے مسائل کے حل کرنے کی عقل پید کرتا ہے۔ قرآن نہ تو بائبل ہے اور نہ ”تورات“ اور نہ ”اوِستا“ ہے، اور نہ کوئی اور جنتر منتر۔ یہ انسانی سوسائٹی میں سیاسی، معاشی، عمرانی، فکری اور نظریاتی سسٹم قائم کرنے کا طریقۂ کار ہے۔

اب اگر قرآن کو ماننے والے پاپائیت کا رویہ اپنائیں اور محض تقدس کے بل بوتے پر بغیر عقل وشعور کے، تشدد پسندانہ ذہنیتیں اور رَجعت پسندانہ تصورات سوسائٹی پر مسلط کریں، یہ قطعاً غلط ہے۔ ایسے لوگ عقل کے دشمن ہیں۔ یہ دین کی سمجھ بوجھ سے عاری ہیں۔ ایسے ہی وہ لوگ جو دین کی بنیادی تعلیمات کا انکار کرتے ہیں، محض خودساختہ عقل کی بنیاد پر سوسائٹی کے لیے افکار ونظریات گھڑتے اور سماجی تشکیل کی بات کرتے ہیں، یہ دوسری طرح کے عقل کے اندھے ہیں۔ عقل تقاضا کرتی ہے کہ انسانی سوسائٹی کے بنیادی اساسی فطری اصولوں کی مسلمہ حیثیت کو تسلیم کیا جائے۔ اب انسانی فطرت کا ایسا مطالعہ صرف اپنے سامنے موجود انسانوں کے تناظر میں ہی طے نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلا انسان حضرت آدم علیہ السلام جس دن اس دھرتی پر آئے اور جس دن آخری انسان پیدا ہوگا، ان تمام انسانوں کے مجموعی انسانی امور کا مطالعہ کیا جائے۔ اور اس کی روشنی میں فطرتِ انسانی کے بنیادی اساسی اصولوں کا تعین کیا جائے۔ اور ایسا مجموعی مطالعہ خالق کائنات کے علاوہ کسی مخلوق کے بس میں نہیں، اس لیے خالق کائنات نے جو اصول اور ضابطے حتمی اور قطعی طور پر قرآن حکیم کی صورت میں انسانیت کے سامنے رکھ دیے، یہی انسانی فطرت کے بنیادی اساسی اصول ہیں۔ ہماری عقل مطالعہ کرتی ہے، شواہد دریافت کرتی ہے، لیکن عقل کے ادراک کی ایک حد ہوتی ہے، اس حد سے اوپر اس عقل کو رہنمائی کی ضرورت ہے۔ کام عقل نے ہی کرنا ہے، لیکن اس کی رہنمائی کے لیے نورِ نبوت اور وحی الٰہی کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ اس نورِ نبوت سے تعلق کے نتیجے میں عقل وشعور میں بڑے بلند اثرات ونتائج مرتب ہوتے ہیں۔ جو نبوت قیامت تک کے لیے آئی ہے، اس کو ماننے والے لوگوں پر لازم ہے کہ وہ نورِ نبوت کی روشنی میں اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق اس کا عملی سیاسی نظام، معاشی اور اقتصادی سسٹم، عمرانی اور سماجی نظام تشکیل دینے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوں۔ یہ انتہا پسندی کہ مذہب کو چھوڑ دیا جائے اور دین کی بنیادی تعلیمات کو عقل سے متصادم سمجھا جائے، یہ دوسرا انتہا پسندانہ پہلو ہے، جو بالکل غلط ہے۔ مسلمان جماعت کے بارے میں قرآنِ حکیم میں کہا گیا ہے کہ یہ جماعت أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (143:2) ایک معتدل جماعت ہے۔ نہ یہ رجعت پسندی اور فرسودگی کی انتہا پر پہنچتی ہے اور نہ یہ دوسری انتہا پر پہنچتی ہے۔ یہ جامعیت کے ساتھ وحی الٰہی کی تعلیمات کو اساس مان کر انسانی مسائل کے حل کرنے کے لیے ہر دور کے تقاضوں کے مطابق عقل وشعور کا مظاہرہ کرتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مسلمان جماعت اپنے معاشروں کی تشکیل کے بنیادی اساسی امور کو دینی تعلیمات کی روشنی میں سمجھتی ہے، عملی اقدامات کرتی ہے۔ اس نظریے سے متصادم جو افکار وخیالات اور تحریکات ہیں، ان سے مرعوب نہیں ہوتی۔ جرأت اور ہمت سے اپنے نظریے کی اساس پر اقدامات کرتی ہے۔ دنیا کے دیگر نظام ہائے حیات کو چلانے والے لوگوں سے مرعوبیت کا شکار نہیں ہوتی۔ اسلام جو امن و آشتی کا دین ہے، اس کی اساسی تعلیمات کی روشنی میں اپنے سماجی مسائل حل کرنے کی عقل اور شعور پیدا کرنا دور کا تقاضا ہے۔

> **ہماری عقل مطالعہ کرتی ہے، شواہد دریافت کرتی ہے، لیکن عقل کے ادراک کی ایک حد ہوتی ہے، اس حد سے اوپر اس عقل کو رہنمائی کی ضرورت ہے۔ اس رہنمائی کے لیے نورِ نبوت اور وحی الٰہی کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔**

بقیہ صفحہ 07 پر

لیبیا کے حقائق پر جھوٹ کی چادر

شاہ زیب خان

نوآبادیاتی دور سے آج تک سامراجی طاقتوں کی انسانی عقل وشعور پر پردے ڈالنے کی کوشش جاری وساری ہے۔ اس سازش کے تحت کبھی تو انسانی معاشروں کو تہذیب اور مذہب کے پھیلاؤ کے نام پر لوٹا گیا اور کبھی جمہوریت کے نام پر۔ اپنے استحصال کو چھپانے کے لیے نہ صرف سامراج نے دور کے جدید ترین وسائل کو استعمال کیا، بلکہ ہر دور میں جھوٹے تجزیہ نگار، سکالرز اور صحافیوں کو متعارف کروایا، جو سچائی کے پرچار کے روپ میں ہمیشہ جھوٹ کے سوداگر ثابت ہوئے۔ یہ مختلف شعبوں کے لوگ اپنی علمی مہارت کے لبادے میں استعماری ممالک کے پراپیگنڈا کرنے والے بنے۔ اسی طبقے نے نوآبادیاتی دور کے ڈیڑھ دوسو سالہ دور میں جتنا علم مشرق یا orcient کے بارے میں دیا، آج اس کو دنیا میں کہیں قابل اعتبار نہیں سمجھا جاتا اور تسلیم کیا جاتا ہے کہ وہ سارا علم مقامی خطوں کی معاشی لوٹ کھسوٹ کے عمل کو چھپانے کے لیے تخلیق کیا گیا۔ اسی طرح بعد از سرد جنگ (post cold-war) دور میں بھی یہ ٹولہ پوری جاں فشانی سے حقائق کو مسخ کرنے کے لیے کوشاں ہے۔

اسی سلسلے کی ایک حالیہ کڑی ایک آزاد، خودمختار اور خوش حال ملک لیبیا پر انھی استعماری ممالک کی جارحیت ہے۔ اس کا مقصد اس ملک کے وسائل کو لوٹنا اور افریقہ کے خطے میں کسی بھی ایسی ممکنہ تحریک کو ختم کرنا ہے، جس کے نتیجے میں وہاں کے ممالک اپنے وسائل کو اپنے ممالک میں بسنے والی انسانیت کے مفاد میں استعمال کر سکیں۔ اس گھناؤنے مقصد کو چھپانے کے لیے اس پر جھوٹ کی چادر چڑھائی جا رہی ہے۔ یہ استعماری ممالک اپنی تمام تر میڈیا ٹیکنالوجی: پرنٹ، الیکٹرانک اور انٹرنیٹ کے ذریعے اس ظالمانہ جارحیت کو کوئی اور رنگ دینے پر تلے ہوئے ہیں۔ وہ لیبیا کے سربراہ کو دہشت گردوں کا سرپرست اور ایک ظالم وجابر حکمران کے طور پر پیش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور کوئی بھی ایسی آواز، جو ان کے جھوٹ کے پردے چاک کرنے کے لیے اٹھتی ہے، اس کو دبانے کی ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں۔

معمر قذافی کا قصور یہ تھا کہ اس نے اپنے ملک کے تیل کے وسائل مغربی ممالک کی کمپنیوں کو اونے پونے داموں بیچنے کے بجائے اس کو اس انداز سے استعمال کیا کہ جس سے اس ملک کے عوام خوش حال ہوئے۔ معمر قذافی نے اپنے ملک کے تمام معدنی وسائل کو تمام لوگوں کی ملکیت قرار دیا۔ اس کے مطابق ہر سال تیل سے حاصل شدہ آمدن سے تمام لیبین باشندوں کو صحت، تعلیم اور بجلی کی مفت سہولیات مہیا کیں۔ نہ صرف اپنے ملک میں مفت تعلیم کا نظام دیا، بلکہ دنیا میں جہاں کہیں کوئی لیبین پڑھنے جانا چاہتا، اس کے اخراجات بھی حکومت ادا کرتی۔ ہر نئے شادی شدہ جوڑے کو ایک خطیر رقم حکومت کی طرف سے ادا کی جاتی۔ ان تمام سہولیات کے بعد بھی تیل سے حاصل شدہ آمدن اس ملک کے باشندوں میں تقسیم کی جاتی اور ان کے بینک اکاؤنٹس میں جمع کروا دی جاتی۔ اسی معاشی مساوات کی حکمتِ عملی کی وجہ سے لیبیا کا ہیومن ڈیویلپمنٹ انڈکس (human development index) پورے افریقی ممالک میں سب سے زیادہ تھا۔ نہ صرف یہ، بلکہ قذافی نے دنیا بھر سے ماہرین معاشیات کو اپنے ملک میں اپنے خرچ پر بلوایا اور ان سے ملاقاتیں کر کے اپنے ملک میں مزید ترقی کے لیے مشاورت کی۔ اسی سلسلے میں دنیا کے معروف تعلیمی ادارے لنڈن سکول آف اکنامکس اور ہاورڈ یونیورسٹی کے پروفیسرز تک کو مدعو کیا گیا۔ سیف الاسلام قذافی کے وژن کے تحت لیبیا میں تعلیم کو عام کیا گیا اور پورے افریقہ میں ٹیلی میڈیسن پروگرام کو متعارف کروایا گیا۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ لیبیا کے نظام میں آخر ایسی کیا خرابی تھی کہ استحصالی ممالک بھوکے کتوں کی طرح اس ملک پر چڑھ دوڑے۔ معمر قذافی کی حکومت پر سب سے بڑا الزام بقول امریکی صدر یہ ہے کہ: ''یہ جمہوریت نہیں ہے'' اور ''معمر قذافی دہشت گردوں کی پُشت پناہی کر رہا ہے۔'' بین الاقوامی میڈیا نے ان جھوٹے الزامات کو بڑی تیزی سے ہوا دی اور ان کی دیکھا دیکھی، غلام ممالک کے میڈیا نے بھی انھی باتوں کا ڈھول بجانا شروع کر دیا۔ کسی نے اس ملک کی تاریخ دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ ان حقائق کو جاننے کی کوشش نہ کی، جو مغربی میڈیا کے اس جھوٹ کا پردہ چاک کرتے ہیں۔ کسی نے یہ نہیں بتایا کہ معمر قذافی وہ شخص تھا، جس نے اس ملک کو بدترین بادشاہت سے نجات دلوائی اور ایک حقیقی جمہوریت قائم کی۔ ستم ظریفی دیکھیے کہ ایک جمہوری ملک کو تباہ کر کے نیٹو کی حمایت یافتہ قومی عبوری کونسل نے اس ملک کا سبز پرچم ختم کر کے بادشاہت کے دور کا پرچم دوبارہ جاری کر دیا ہے۔ یہ حقیقت میں ایک علامت ہے کہ یہ ملک اب آگے کی طرف جانے کے بجائے پیچھے کی طرف دھکیل دیا گیا ہے۔ اور جمہوریت کے بجائے آمریت اور بادشاہت قائم کر دی گئی ہے۔

لیبیا میں قذافی نے عوامی حکومت کی بہترین مثال قائم کی۔ جس کے تحت بنیادی عوامی کانگرسز قائم کی گئیں اور ان کے تحت ملک کو پندرہ سو یونٹس، بتیس ریجنز اور ایک مرکز میں تقسیم کیا گیا تھا۔ یہ کانگرسز لیبیا میں قانون سازی کی ذمہ دار تھیں اور ان میں قذافی کا اپنا ذاتی کوئی کردار نہیں تھا۔ ہر چار سال کے بعد یہ کانگرس اپنے اپنے لیڈرز کا انتخاب کرتیں اور یہ کام بھرپور جمہوری طریقے سے لمبی بحثوں اور مشاورت کے بعد پچھلی کارکردگی کو سامنے رکھ کر کیا جاتا۔ اس سیاسی نظام کے ذریعے لیبیا میں بسنے والے انسانوں کے لیے ایک ترقیاتی معاشرت متعارف کروائی گئی۔ ان کے اس سیاسی نظام میں اختلاف کی گنجائش موجود تھی۔ اور لیبیا میں چھپنے والے اخبارات ملکی پالیسیوں پر تنقید بھی کرتے تھے۔ اور اس کے نتیجے میں اصلاحات کا عمل مسلسل جاری تھا۔ ظاہر ہے کہ استحصالی ممالک کو ایسا نظام کیسے قابل قبول ہو سکتا تھا، جس پر سرمایہ داروں کا ٹولہ قابض نہ ہو، جو کہ بین الاقوامی سامراج کی آلہ کاری کا کردار ادا کرے۔

لیبیا کی حکومت کا ایک اور گناہ یہ تھا کہ معمر قذافی پورے افریقہ کی بھوک مٹانے کے لیے ایک معاشی نظام وضع کرنے کا خواہاں تھا۔ اس کا مقصد افریقا کو ''آئی ایم ایف'' اور ''ورلڈ بینک'' ایسے سامراجی اداروں کے چنگل سے آزادی دلانا تھا۔ اس کی حکومت نے افریقی یونین کے لیے بتیس ارب ڈالر کی خطیر رقم مختص کی ہوئی تھی۔ جس کا مقصد ''افریقی مونیٹری فنڈ''، ''افریقی سینٹرل بینک'' اور ''افریقی انویسٹمنٹ بینک'' قائم کرنا تھا۔ ظاہر ہے اگر یہ ادارے قائم ہو جاتے تو آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے تسلط سے افریقا پیچھا چھڑا لیتا۔ اسی لیے تو امریکہ اور مغربی سرمایہ دار ممالک اپنی سامراجی جمہوریت لے کر لیبیا پر چڑھ دوڑے ہیں۔

دنیا بھر پر سامراجی میڈیا کے تسلط کے نتیجے میں، لوگوں نے معاشروں کے حوالے سے ایسے غلط تصورات کو درست سمجھ رکھا ہے کہ جن کا حقائق سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔ جو اصول اور ضابطے انسانی سماج کے لیے نقصان دہ اور مضر ہیں، انھی کو انسانی مسائل کا تریاق قرار دے دیا جاتا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ایک سماج میں انسانی ضروریات کی تکمیل کے سیاسی، معاشی اور سماجی نظام کی آج کوئی اہمیت نہیں ہے، بلکہ اہمیت ہے تو ہر کچھ عرصے بعد پوری قوم کے اربوں

rahimia.org

روپے ضائع کر کے سرمایہ داروں کے ایک نئے ٹولے کو حکومت میں لانے کی، جو قوم کو لوٹنے کے نئے جوش و جذبے سے پُر ہو کر میدانِ سیاست میں وارد ہوتا ہے۔ سرمایہ داریت پر مبنی سماج کو چلانے والے شیطان اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ جب ایک سماج کی معیشت کی بنیاد سرمایہ داریت پر قائم ہو جائے اور اس پر مبنی معاشرت وجود میں آجائے تو پھر انسانی جسم میں کینسر کی آخری سٹیجز کی طرح اس معاشرت کا کوئی حصہ اس کے بُرے اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکتا، بالکل اسی طرح یہ نظامِ سرمایہ داریت بھی انسانی معاشرے کے تمام اجتماعی اور انفرادی دائروں میں اپنا زہر داخل کر دیتا ہے۔ ایسے معاشرے میں سو سال بھی بے معنی الیکشن ہوتے رہیں، تو لوگوں کی اجتماعی فلاح کا کوئی نظام وجود میں نہیں آسکتا۔ مغربی ممالک اسی طرح کی نام نہاد جمہوریت کا نعرہ لے کر بزورِ طاقت دنیا کے ممالک میں اس کو نافذ کروانے کی ٹھانے ہوئے ہیں۔ ان ممالک کا جانب دار میڈیا دنیا میں اس انتہائی گھناؤنے گلے سڑے جمہوری نظام کو مختلف طریقوں سے پھیلا رہا ہے۔ انٹرنیٹ پر اربوں ویب سائٹس ہونے کے باوجود ایک ہی نقطہ نظر ہر طرف نظر آتا ہے۔ اظہارِ رائے کی آزادی کا پرچار کرنے والے انتہائی بے شرمی سے سامراج مخالف کسی ویب سائٹ کو برداشت کرنے کے روادار نہیں ہیں۔ لیبیا پر ہونے والی حالیہ جارحیت کے دوران طرابلس کے ہوٹل میں مقیم غیر جانب دار رپورٹرز کو نیٹو کی سرکردگی میں سپیشل فورسز کے لوگوں نے چن چن کر نشانہ بنایا اور قتل کیا۔ اس میں mathaba.net اور english.pravda.ru کے رپورٹرز کو خاص طور پر نشانہ بنایا گیا۔ ان کا جرم صرف یہ تھا کہ یہ لیبیا پر نیٹو کے حملے کے بارے میں درست رپورٹنگ کر رہے تھے اور ان کی رپورٹس پوری دنیا میں انصاف پسند لوگوں کے بلاگز تک پہنچ رہی تھیں۔ اسی طرح لیبیا کے نظام کی حقیقت دنیا کو بتانے والوں کے فیس بک اور ٹوئٹر اکاؤنٹ بھی مسلسل بند کیے جا رہے ہیں۔

جو طاقتیں آج لیبیا پر نام نہاد جمہوریت مسلط کرنے پر تلی ہوئی ہیں، انھوں نے افریقا کو جس بُری طرح سے لوٹا ہے، اس کی تاریخ لیبیا پر اِٹلی کے سامراجی تسلط کے زمانے سے واضح ہو جاتی ہے۔ یورپین بھیڑیوں نے یہاں کے لوگوں کو کس ظالمانہ طریقے سے غلام بنایا، اِن کی آزادی سلب کی وہ کس طرح بھلایا جا سکتا ہے۔ آج بھی نیٹو ممالک نے اپنے اپنے اخراجات کے چیک تیار کر لیے ہیں اور لیبیا کی نئی عبوری کونسل بڑی آسانی سے وہ پیسہ، جو اب تک لیبیا کے عوام پر خرچ ہوتا تھا، ان استعماری ممالک کی جھولی میں ڈالنے کے لیے تیار ہے۔

تاریخ اپنے آپ کو دہرانے کے لیے ایک بار پھر تیار ہے۔ ایسے میں ضرورت ہے کہ حقائق کے اِدراک کا فہم و شعور پیدا کیا جائے اور جھوٹ کے شور و غوغے میں سے سچ کی سرگوشی کو محسوس کیا جائے۔ نیز افریقہ کی آزادی کے لیے جدوجہد کرنے والے حریت پسندوں کی جدوجہد کا تاریخی شعور و اِدراک کیا جائے۔ یقیناً ایسے کٹھن حالات میں بھی اپنی قوم کی غلامی کو کسی صورت قبول نہ کرنے والے حریت پسندوں کو خراجِ تحسین پیش نہ کرنا، انسانیت دشمنی ہے۔

بقیہ خطبہ جمعہ ہر دور میں اولیاء اللہ علمائے ربانیین اور سچے رہنمایانِ قوم نے اس حوالے سے عقل پیدا کی، جدوجہد اور کوشش کی، جذباتیت کے عنصر کو نظر انداز کیا، منفی رویوں کو ختم کرنے کے لیے کاوش کی۔ انتقام اور مرعوبیت کے رویے، پستی کی ذہنیتیں، غلامانہ سوچ، ان تمام رویوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے کوشش کی۔ آج جب کہ ہمارا نوجوان یورپ کے سامراجی سسٹم سے مرعوب ہو کر دین کے بنیادی نظریے، اور اس کے نظام سے مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے تو ایسے ماحول میں زیادہ ضرورت ہے کہ زیادہ عقل اور زیادہ شعور کے ساتھ سوسائٹی کے مسائل کے حل کرنے کے لیے اقدامات کیے جائیں، دین کو سمجھا جائے، اس کے لیے جدوجہد اور کوشش کی جائے، نہ یہ کہ جذباتیت کا مظاہرہ کیا جائے، نہ کہ تقسیم در تقسیم کے عمل کو قبول کیا جائے۔ عجیب بات کہ وہ دین، جو کل انسانیت کے مسائل حل کرنے کے لیے آیا، بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب تمام انسانوں کے انسانی مسائل حل کرنے کا سسٹم اور نظام بیان کرتا ہے، آج اس نظریے کو ماننے والی جماعتیں، پارٹیاں، بہت سے گروہوں اور فرقوں کے اندر تقسیم ہو کر رہ گئیں، وہ انسانیت کی کیا خدمت کریں گی؟ اور انسانیت کے مسائل کے حل کرنے کے لیے کیا کردار ادا کریں گی؟

آج زیادہ ذمہ داری مسلمان جماعت پر عائد ہوتی ہے کہ جب لوگ بے عقلی کا مظاہرہ کریں تو زیادہ عقل مندی کے ساتھ کام کرے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے بڑی عمدہ حقیقت بیان کی، کہ جب سوسائٹی میں نفرتیں اور لڑائیاں ہوں، بے عقلی کے مظاہرے ہوں تو مسلمان جماعت پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ زیادہ عقل کے ساتھ، زیادہ شعور کے ساتھ، زیادہ جرأت اور ہمت کے ساتھ انسانوں کے مسائل کے حل کرنے کے لیے میدانِ عمل میں آئے۔ عقل و شعور کے بنیادی پیغام کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ سامراج کے مکر و فریب، اس کے بچھائے ہوئے جال، اس کے پیدا کیے ہوئے غلامانہ رویے سمجھے۔ ان کا تحلیل و تجزیہ کرے، ان سے برأت کا اعلان کرے۔ عقل کی بنیاد پر، دلائل کی بنیاد پر ان کی مزاحمت کرے، تشدد اور نفرتوں کی بنیاد پر نہیں۔ محض گالی گلوچ سے نہیں۔ محض کسی نام نہاد تقدس کی بنیاد پر نہیں، بلکہ فہم و بصیرت، عقل و شعور، انسانی مسائل کے حل کرنے کے تناظر میں دین اسلام کی رہنمائی انسانیت کے سامنے پیش کرے۔ یہ اس کا بنیادی تقاضا ہے۔

آج ہم اس صلاحیت سے محروم ہیں۔ جس کے نتیجے میں پورا معاشرہ نفرتوں اور تقسیم در تقسیم کے عمل سے گزر رہا ہے اور ہر گزرتے لمحے کے ساتھ ہمارے داخلی عناصر اور غاصبانہ مسلط نظام کی وجہ سے تقسیم در تقسیم کا عمل گہرا ہوتا جا رہا ہے۔ اور کسی قوم کے زوال کے لیے یہی کافی ہوتا ہے کہ وہ اپنے نظریے میں مرعوبیت کا شکار ہو جائے۔ اس میں مایوسی پیدا ہو جائے۔ اس میں بزدلی آجائے۔ جرأت اور ہمت سے کام کرنے کی صلاحیت نہ رہے۔ جذباتیت اور اشتعال انگیزی اس میں پیدا ہو جائے۔ غلامانہ ذہنیت اس کے اندر رَچ بس جائے۔ یہ زوال کی علامت ہے۔ ترقی اور کامیابی کی علامتیں، اپنے نظریے پر غیر متزلزل اعتماد، اپنے دین پر پختہ یقین، اس دین کی بنیادوں پر عقل و شعور کے مطابق مسائل کے حل کرنے کا سیاسی شعور، معاشی اور اقتصادی شعور کا پیدا ہونا، سماجی اور عمرانی مسائل کے حل کرنے کی عقل کا پیدا ہونا، یہ ضروری ہے۔ آج ہمیں دین کی اساس پر سیاسی عقل، معاشی شعور، عمرانی سمجھ پیدا کرنی ہے۔ دین کے غلبے کا دورِ حاضر میں درست نظام انسانیت کے سامنے پیش کرنا ہے۔ اپنے اندر تبدیلی لانی ہے۔ اپنے رویوں میں تبدیلی لانی ہے۔ اپنی اجتماعی حالت کو بدلنے کی فکر کرنی ہے۔ اپنے مسائل کے حل کرنے کے لیے کردار ادا کرنا ہے۔ یہ دین کا سب سے بڑا بنیادی پیغام ہے۔ اگر ہم اس پیغام کو سمجھیں، اس کے مطابق اپنے اَخلاق، رویے، کردار، اجتماعیت، نظم و ضبط، ڈسپلن، طاقت و قوت پیدا کریں تو دنیا کی کامیابی بھی ہے اور آخرت کی کامیابی بھی۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں دین کو درست تناظر میں سمجھنے اور اس کی عقل و شعور ہمارے اندر پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

Monthly RAHIMIA Lahore LRL 466 CPL No. 59

مطالعہ اسلام

اسلام اور خودکشی

محمد عباس شاد

دنیا بھر میں سالانہ دس لاکھ لوگ خودکشیاں کرتے ہیں اور دو کروڑ انسان اس کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ غریب اور پس ماندہ ممالک میں خودکشی کرنے والوں کی تعداد نسبتاً زیادہ ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان میں سالانہ چھ سے آٹھ ہزار افراد خودکشی کر رہے ہیں۔ پاکستان میں حالیہ برسوں میں خودکشی کے رجحان میں اضافہ ہوا ہے۔ چند سال قبل پاکستان میں خودکشیوں کی شرح یہ نہیں تھی جو آج ہے۔ اس کی وجہ پاکستان میں بڑھتے ہوئے معاشی اور سماجی مسائل ہیں۔ ماہرین کہتے ہیں: خودکشی کرنے والے افراد کی تعداد جنگوں، دہشت گردی کے واقعات اور قتل کے باعث ہلاک ہونے والوں کی نسبت زیادہ ہے۔ ایک تخمینے کے مطابق دنیا بھر میں ہر دوسرے منٹ خودکشی کے باعث ایک موت ہو رہی ہے۔ خودکشی بہت سے عوامل کا نتیجہ ہوتی ہے، جن میں: دماغی خلل، غربت، نشے کی عادت، سماج سے لاتعلقی، تنہائی، نقصانات کا صدمہ اور مایوسی چند ایک بڑے عوامل گنے جاتے ہیں۔ مایوسی اور ذہنی دباؤ کو سب سے نمایاں اسباب شمار کیا جاتا ہے۔ جب کوئی شخص اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو زندگی کے حق سے محروم کر دیتا ہے تو اسے ''خودکشی'' کہتے ہیں۔

اسلام انسانی زندگیوں کا محافظ اور جینے کی اُمنگ کو باقی رکھنے کی سوچ دیتا ہے۔ اس نے ایک انسان کی زندگی بچانے کو کل انسانیت کی زندگی بچانے کے مترادف قرار دیا ہے۔ وہ خودکشی کے اس عمل کو شرعی اور قانونی اعتبار سے جرم اور گناہِ کبیرہ قرار دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''تم اپنے آپ کو قتل نہ کرو! بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے لیے بڑا مہربان ہے۔'' (29:4) اسی طرح رسول اکرم ﷺ نے خودکشی سے متعلق مندرجہ ذیل ارشادات فرمائے ہیں: [1] ''جس نے کسی پہاڑ سے گر کر خودکشی کی، وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ گرتا رہے گا۔'' [2] ''جس شخص نے جس چیز سے خودکشی کی، قیامت کے روز اسی چیز سے اُسے عذاب دیا جائے گا۔'' (بخاری و مسلم) اسلام دنیا کا پہلا نظامِ حیات ہے، جس نے خودکشی کو حرام اور قطعی ناجائز قرار دیا ہے۔ اسلام سوسائٹی سے ایسے تمام اسباب کا سدِباب کرتا ہے، جس کے باعث لوگ خودکشی کی موت اختیار کر سکتے ہوں۔ مثلاً اسلام ایک ایسے مستحکم معاشی نظام کی بات کرتا ہے، جس میں کوئی شخص معاشی تنگ دستی کے سبب زندگی سے مایوس نہ ہو جائے۔ اسلام نفرت، حسد، انتقام جیسے جذبات ختم کرتا ہے کہ اس کے سبب انسان کو مایوسی نہ گھیر لے۔ وہ ناجائز خواہشات اور ناممکن توقعات سے اجتناب کی تعلیم دیتا ہے کہ کہیں ان کے پورا نہ ہونے کی صورت میں انسان مایوسی کا شکار ہو کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر لے۔ اسلام تکلیف، درد اور بیماری کو حوصلے سے برداشت کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ ایک مسلمان جنگ میں بڑی بہادری سے لڑ رہا تھا، وہ شدید زخمی ہو گیا، زخم کی تاب نہ لا کر اس نے اپنی ہی تلوار سے اپنا خاتمہ کر لیا۔ حضور ﷺ نے اس کی موت کو خودکشی قرار دیا اور ناپسند فرمایا۔ اسلام انسان کو بے بسی کے بجائے جرأت اور بہادری کی تعلیم دیتا ہے اور ہر طرح کے حالات میں جینے کا حوصلہ اور جدوجہد کی تلقین کرتا ہے۔ وہ لوگ اسلام کے وقار کے دشمن ہیں، جنھوں نے مذہب کو خودکش حملوں کا حامی قرار دے دیا ہے۔ اسلام ظلم کے خلاف جدوجہد کا راستہ اپناتا ہے، جب کہ خودکشی مایوسی، بزدلی اور تباہی کی راہ ہے۔ سیاسی جدوجہد دنیا کے لیے پُرامن طریقے سے اپنے حق کو حاصل کرنے کا راستہ ہے۔

آج دنیا ایک طرف مذہبی جنونیوں کے خودکش حملوں کی زد میں ہے تو دوسری طرف بے رحم اور سفاک سرمایہ داری نظام ان سے زندگی کی اُمنگ چھین کر انھیں خودکشی پر مجبور کر رہا ہے۔ چکی کے ان دو پاٹوں سے انسانیت کو اسلام کا نظامِ رحمت ہی نجات دلا سکتا ہے، جو خودکشی کی طرح سرمایہ داری کو بھی حرام اور ناجائز قرار دیتا ہے۔

دینی مسائل

اس صفحہ پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔

از جناب مفتی عبدالغنی قاسمی شعبہ دارالافتاء ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور
براہِ راست سوالات پوچھنے کے لیے رابطہ کریں: 0321-4431184

سوال (1): زید نے اپنی وفات سے کچھ پہلے وصیت کی کہ میری زندگی میں جتنی نمازیں قضا ہوئی ہیں، اُن کا فدیہ میرے ذمے باقی ہے۔ لہٰذا میری طرف سے یہ فدیہ ادا کیا جائے۔ تو کیا یہ فدیہ مالِ وراثت سے ادا کیا جائے گا یا ورثا اپنے طور پر ادا کریں گے؟ کیوں کہ ورثا میں کچھ افراد نابالغ ہیں، جن کی اجازت بھی شرعاً قابلِ اعتبار نہیں۔ محمد حسن کوئٹہ

جواب: متوفی کی وصیت کی صورت میں نمازوں کا فدیہ مالِ وراثت کے 1/3 حصے سے ادا کیا جائے گا۔ ورثا کی اِجازت ضروری نہیں۔ اور ایک نماز کا فدیہ 1700 گرام گندم ہے۔

سوال (2): عورت پر شوہر کی فرماں برداری زیادہ ضروری ہے یا والدین کی؟

اظہر عباسی، بہاولپور

جواب: شوہر کی اطاعت اور فرماں برداری عورت پر زیادہ ضروری ہے۔

سوال (3): بازو یا پاؤں ٹوٹ جانے کی وجہ سے اس پر پلاسٹر لگایا گیا تو وضو میں اس پر مسح کی کیا صورت ہوگی؟ محمد صادق، پشاور

جواب: ہاتھ، پاؤں وغیرہ پر بوجہ مجبوری جو پلاسٹر لگائے جاتے ہیں، ان پر وضو اور غسل میں مسح کر لینا کافی ہے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ پلاسٹر لگاتے وقت اس بازو کو دھویا گیا ہو۔ اس پر اس وقت تک مسح کرتا رہے، جب تک صحت یاب ہو کر پلاسٹر کو اُتار نہ دیا جائے۔

سوال (4): آیتِ سجدہ کو ٹائپ یا کمپوز کرنے سے کمپوزر پر سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے یا نہیں؟ جب کہ عام طور پر کمپوزر ایک ایک حرف کا تلفظ بھی زبان سے کرتا رہتا ہے!

سید نفیس مبارک ہمدانی، قصور

جواب: سجدۂ تلاوت، آیاتِ سجدہ کی تلاوت کرنے والے یا سننے والے پر واجب ہوتا ہے۔ آیتِ سجدہ کی کتابت یا اِسے کمپوز کرنے سے سجدۂ تلاوت واجب نہ ہوگا۔ ایسے ہی اگر ایک ایک حرف کا تلفظ کیا تو بھی سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوگا۔

سوال (5): زید نے ایک قلم خریدا، جو سونے کا بنا ہوا ہے۔ کیا مرد کے لیے ایسے قلم کا استعمال درست ہے یا نہیں؟ سید احمد جواد ہمدانی، قصور

جواب: سونے چاندی کے بنے ہوئے قلم سے لکھنا مرد اور عورت دونوں کے لیے درست نہیں۔ اس قسم کی رفاہیتِ بالغہ (تعیش پسندی) اسلام کے خلاف ہے۔ زیورات کے علاوہ عورت کے لیے بھی سونا چاندی کا استعمال درست نہیں۔

سوال (6): ایک بالغ لڑکی کا نکاح اس کے والد نے کر دیا، مگر بوقتِ نکاح اس لڑکی سے اجازت نہیں لی گئی اور نہ اس کو اطلاع کی، تو کیا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ علی محمد، نواب شاہ

جواب: یہ نکاح اس لڑکی کی اجازت پر موقوف ہے۔ جب لڑکی کو نکاح کی خبر پہنچی تو اس نے اس نکاح کو قبول کر لیا یا خاموش رہی اور انکار نہ کیا تو نکاح درست ہو جائے گا۔

سوال (7): چچا کی پوتی سے بھتیجے کی شادی درست ہے یا نہیں؟ افتخار، بنوں

جواب: درست ہے۔

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے
اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ، لاہور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ، لاہور سے شائع کیا۔